بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اِشارات

ترجمان القرآن کی دو مختلف اشاعتوں میں ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ ایک مومن کا اپنے رب کے ساتھ، اور اُس ذات پاک کے ساتھ جس نے ہمیں اپنے خالق اور مالک کے وجود کا صحیح شعور اور احساس بخشا ہے، کیا تعلق ہونا چاہیے۔ اس اشاعت میں ہم اس سلسلہ بحث کی آخری کڑی یعنی اس دنیا اور اس کے مال و متاع سے انسان کے تعلق کی نوعیت پر چند معروضات پیش کریں گے۔

اس دنیوی زندگی پر بحث کرتے ہوئے اسلام ہمیں سب سے پہلے اس کی اصل حقیقت سے روشناس کراتا ہے۔ کیونکہ زندگی کے بیشمار فتنے ایسے ہیں جو اس کو صحیح طور پر نہ جاننے سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس معاملہ میں سب سے پہلی ہدایت جو اُس نے فرمائی ہے وہ یہ ہے:-

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ط وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۔ (۶:۴)

دنیا کی زندگی تو ایک کھیل اور ایک تماشا ہے حقیقت میں آخرت ہی کا مقام اُن لوگوں کے لیے بہتر ہے جو زیاں کاری سے بچنا چاہتے ہیں پھر کیا تم لوگ عقل سے کام نہ لوگے۔

وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۔ (۷:۲۱)

آخرت کی قیام گاہ خداترس لوگوں کے لیے بہتر ہے کیا تم اتنی سی بات نہیں سمجھتے

وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ط وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ (۳:۱۳)

اور یہ لوگ دنیوی زندگی میں مگن ہیں، حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں ایک متاعِ قلیل کے سوا کچھ بھی نہیں۔

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّ

اور یہ دنیوی زندگی (فی نفسہٖ) بجز لہو و لعب کے اور

لَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ۔ (۲۹ - ۶)

کچھ بھی نہیں اور اصل زندگی تو عالمِ آخرت ہی ہے۔ کاش ان کو اس حقیقت کا علم ہوتا۔

اسی حقیقت کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمایا ہے:۔

وعن انس رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: اللّٰھم لاعیش الا عیش الآخرۃ ۔ (متفق علیہ)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ! اصلی زندگی تو آخرت کی زندگی ہے ۔

وعن المستورد بن شداد رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ما الدنیا فی الآخرۃ الا مثل ما یجعل احدکم اصبعہ فی الیم فلینظر بم یرجع (رواہ مسلم)

حضرت مستورد بن شداد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آخرت کے مقابلہ میں دنیا کو ایسی ہی نسبت ہے جیسے سمندر میں کوئی اپنی انگلی ڈالے اور دیکھے کہ اس پر کیا تری لگی ہوئی ہے ۔

قرآن پاک کی یہ آیات اور سرورِ کائنات کی یہ تصریحات سب اس حقیقت کو واضح کرتی ہیں کہ ایک مومن و مسلم کی اصل زندگی اس عارضی زندگی کے بعد شروع ہوتی ہے لیکن چونکہ اُس حیاتِ جاودانی کا راستہ اس عارضی زندگی کے بیابانوں میں سے گزر کر جاتا ہے اس لیے ایک مسلمان اس بات کے لیے مجبور ہے کہ وہ اسے طے کرے۔ مگر اُسے ہر لمحہ اور ہر لحظہ یہ خیال ذہن نشین کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ دیکھو کہیں اس زندگی کی رنگینیاں اور دلچسپیاں تمہیں مفتوح نہ کر لیں اور تم اس کے مکر و فریب میں آکر کہیں اسے ہی منتہائے مقصود نہ سمجھ بیٹھو۔ قرآن حکیم اور احادیث میں اس حقیقت کی طرف مختلف طریقوں سے اشارہ فرمایا گیا ہے۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِیْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَیْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ كَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ یَهِیْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَكُوْنُ حُطَامًا

تم خوب جان لو کہ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی محض لہو و لعب ہے اور ایک ظاہری زینت اور ایک دوسرے پر فخر کرنا اور مال و اولاد میں ایک دوسرے میں تفوق جتلانا ایسا ہے جیسے کہ مینہ برسا ہو

وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ط وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۔ (۵۷ : ۳)

اس کی پیداوار کفار کو اچھی لگتی ہے۔ پھر وہ خشک زور پر آتا ہے۔ پھر تم اس کو زرد دیکھتے ہو۔ پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے اور آخرت میں سخت عذاب ہے اور خدا کی طرف سے مغفرت اور رضامندی ہے اور دنیوی زندگی تو محض دھوکے کا سبب ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۔ (۳۵ : ۱)

اے اہل ایمان بیشک اللہ کا وعدہ سچا اور برحق ہے۔ (خبردار) تمہیں دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈال دے اور تم کو دھوکہ باز شیطان اللہ کے معاملے میں کسی فریب میں مبتلا نہ کر دے۔

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ لا اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ط كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۔ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۔

(۱۰ - ۳)

دنیا کی زندگی (جس کے نشے میں بدمست ہو کر تم ہماری نشانیوں سے غفلت برت رہے ہو) اس کی مثال ایسی ہے جیسے آسمان سے ہم نے پانی برسایا تو زمین کی پیداوار، جسے آدمی اور جانور سب کھاتے ہیں، خوب گھنی ہو گئی، پھر عین اُس وقت جبکہ زمین اپنی بہار پر تھی اور کھیتیاں بنی سنوری کھڑی تھیں اور اُن کے مالک سمجھ رہے تھے کہ اب ہم ان سے فائدہ اٹھانے پر قادر ہیں، یکایک رات کو یا دن کو ہمارا حکم آ گیا اور ہم نے اسے ایسا غارت کر کے رکھ دیا کہ گویا کل وہاں کچھ تھا ہی نہیں۔ اس طرح ہم نشانیاں کھول کھول کر پیش کرتے ہیں اُن لوگوں کے لیے جو سوچنے سمجھنے والے ہیں (تم اس ناپائدار زندگی کے فریب میں مبتلا ہو رہے ہو) اور اللہ تمہیں

دار السلام کی طرف دعوت دے رہا ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۭ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ۔ (۳-۳)

لوگوں کے لیے مرغوباتِ نفس، عورتیں، اولاد، سونے چاندی کے ڈھیر، نشان لگائے ہوئے گھوڑے، مویشی اور زرعی زمینیں — بڑی ہی خوش آئند بنا دی گئی ہیں۔ مگر یہ سب دنیا کی چند روزہ زندگی کے سامان ہیں۔ حقیقت میں جو بہتر ٹھکانا ہے وہ تو اللہ کے پاس ہے۔

قرآن مجید نے صرف اس دنیوی زندگی کی بے حقیقتی کی وضاحت کرنے پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ اُس نے واشگاف الفاظ میں یہ بھی بتایا ہے کہ جو لوگ اس زندگی پر راضی ہو گئے ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ چنانچہ سورۃ یونس میں بالکل واضح الفاظ میں کہا گیا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاۗءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۔ اُولٰۗىِٕكَ مَاْوٰىھُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۔

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے اور دنیا کی زندگی پر راضی اور مطمئن ہو گئے، اور جو ہماری نشانیوں سے غافل ہیں ان کا آخری ٹھکانا جہنم ہوگا اُن برائیوں کی پاداش میں جن کا اکتساب وہ (اپنے اس غلط عقیدے اور طرزِ عمل کی وجہ سے) کرتے تھے۔

اسی طرح دنیا پرستوں کو گمراہ ٹھہراتے ہوئے انہیں ایک دردناک عذاب کی وعید سنائی گئی ہے:۔

وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ۔ الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَي الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ۔ (۱۴:۳)

اور سخت تباہ کن سزا ہے قبولِ حق سے انکار کرنے والوں کے لیے جو دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں، جو اللہ کے راستے سے لوگوں کو روک رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ یہ راستہ (ان کی خواہشات کے مطابق) ٹیڑھا ہو جائے۔ یہی لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں۔

پھر اسی بات کو ایک دوسرے پیرائے میں یوں بیان کیا گیا ہے:-

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَدْحُورًا ۔ وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا ۔ (۱۷: ۲)

جو کوئی عاجلہ کا خواہشمند ہو، اسے یہیں ہم دے دیتے ہیں جو کچھ بھی جسے دینا چاہیں، پھر اس کے مقسوم میں جہنم لکھ دیتے ہیں جسے وہ تاپے گا ملامت زدہ اور رحمت سے محروم ہو کر اور جو آخرت کا خواہشمند ہو اور اُس کے لیے سعی کرے جیسی کہ اُس کے لیے سعی کرنی چاہیے اور وہ ہو مومن، تو ایسے ہر شخص کی سعی مشکور ہوگی۔

حضور سرور دو عالم اور آپ کے جلیل القدر صحابہ اس دنیا اور اس کے فوائد و لذائذ کے بارے میں جو احساسات رکھتے ہیں ان کو مندرجہ ذیل واقعات سے اچھی طرح معلوم کیا جا سکتا ہے۔

حضرت عمرو بن عوف انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح کو جزیہ لینے کے لیے بحرین بھیجا، وہ بحرین سے مال لے کر آئے، انصار نے سنا کہ حضرت ابو عبیدہ آگئے، تو انہوں نے نماز فجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو وہ سامنے آئے، آپ اُن کو دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا، میرا خیال ہے کہ تم نے سن لیا، ابو عبیدہ بحرین سے کچھ لائے ہیں۔ انہوں نے کہا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا:-

ابشروا و املوا ما يسركم فوالله ما الفقر اخشى عليكم ولكني اخشى ان تبسط الدنيا عليكم كما بسطت على من كان قبلكم فتنافسوها كما تنافسوها فتهلككم كما اهلكتهم (متفق علیہ)

مبارک ہو اور خوشی کی امید رکھو خدا کی قسم میں تمہارے لیے فقر سے نہیں ڈرتا لیکن مجھے خوف ہے کہ کہیں تمہارے لیے بھی دنیا اُس طرح نہ پھیلا دی جائے جیسے تم سے پہلی امتوں کے لیے پھیلائی گئی تھی تو جیسے ان کو ہلاک کیا کہیں تم کو بھی ہلاک نہ کر دے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف رکھتے تھے اور ہم اب آپ کے گرد بیٹھے تھے آپ نے ارشاد فرمایا:-

ان مما اخاف علیکم بعدی ما یفتح علیکم من زھرۃ الدنیا و زینتھا (متفق علیہ)	مجھے یہ ڈر رہتا ہے کہ کہیں میرے بعد تم پر دنیا کی آرائش اور اُس کی زینت کھول نہ دی جائے ۔
وعن کعب بن عیاض رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان لکل امۃ فتنۃ وفتنۃ امتی المال (ترمذی)	حضرت کعب بن عیاض سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ہر امت کے لیے ایک فتنہ ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے ۔

اس زندگی کو بے حقیقت اور فانی اور موت کے بعد کی زندگی کو ابدی اور جاودانی سمجھنے کا نتیجہ یہ تھا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثار صحابہ ہمیشہ اس مادی دنیا کی لذتوں سے کنارہ کش رہتے تھے۔ وہ دنیاوی متاع پر ہر قسم کی دسترس رکھنے کے باوجود ایسی فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے جس کی مثال تارک الدنیا راہب اور صحرا نشین زاہد بھی پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ اُن کے دلوں میں کبھی یہ خیال تک بھی نہ آتا کہ وہ اپنی زندگی کو زیادہ سے زیادہ پُر راحت اور پُر آسائش بنانے کی کوشش کریں۔ اُن کی ساری دلچسپیاں صرف آخرت کو سنوارنے میں صرف ہوتیں۔ اقامتِ دین کا کام ہی اُن کا اوڑھنا بچھونا تھا اور اس کام میں اُن کا انہماک اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ دنیا کے ہر انہماک کو اس پر رشک آتا۔ یہی وجہ ہے کہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بیشتر صحابہ نے اپنی مقدس زندگیوں کو انتہائی فقر و فاقہ میں بسر کیا۔ حضور سرورِ کائنات نے اس فقر کو اپنی محبت کی ایک بڑی علامت بنایا ہے:۔

حضرت عبداللہ بن مغفل سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا میں آپ سے محبت کرتا ہوں، آپ نے فرمایا "دیکھو کیا کہتے ہو" اس نے کہا خدا کی قسم میں آپ سے محبت کرتا ہوں (تین مرتبہ اسے دہرایا) آپ نے ارشاد فرمایا اگر تم مجھ سے محبت کرتے ہو تو فقر کے لیے تیار ہو جاؤ۔ بیشک جو مجھ سے محبت کرتا ہے فقر اس کے پاس سیلاب سے بھی زیادہ تیز پہنچتا ہے۔

حضور کی اپنی زندگی جس عسرت سے گذری اُس کے نقوش تاریخ کی لوح پر ابھی تک محفوظ ہیں۔ یہاں اتنی گنجائش نہیں کہ انہیں تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے۔ ہم یہاں صرف چند واقعات نقل کرتے ہیں جن سے اس امر کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضور اس زندگی کو فی الحقیقت کیا حیثیت دیتے تھے۔

ایک بار حضرت عمرؓ کاشانۂ نبوت میں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ آپ چٹائی پر بیٹھے ہوئے ہیں جس پر کوئی بستر نہیں ہے، جسم مبارک پر تہبند کے سوا کچھ نہیں، پہلوؤں پر نشان پڑ گئے ہیں۔ توشہ خانہ کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ وہاں بھی مٹھی بھر جَو کے سوا اور کوئی چیز نہیں۔ آنکھوں سے بے ساختہ آنسو نکل آئے، ارشاد ہوا کہ عمرؓ کیوں رونے ہو؟ بولے کیوں نہ روؤں، آپ کی یہ حالت ہے اور قیصر و کسریٰ دنیا کے مزے اُڑا رہے ہیں۔ فرمایا کیا تمہیں پسند نہیں کہ ہمارے لیے آخرت اور اُن کے لیے دنیا ہو"

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جائدادیں نہ بناؤ، تم کو دنیا کی رغبت ہو جائے گی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس سے گزرے اور ہم اپنے ایک چھپر کی مرمت کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا "میں دیکھتا ہوں کہ موت اس سے بھی زیادہ قریب ہے"

حضور نے جس انداز سے زندگی بسر کی اُس کے متعلق اُن کی رفیقۂ حیات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شہادت یہ ہے کہ آنحضرت کے گھر والے دو دن متواتر جَو کی روٹی سے سیر نہ ہوئے تھی کہ آپ کی وفات ہو گئی۔

جب مخدوم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہونے لگے اس وقت کاشانۂ نبوی کی ساری دولت صرف سات دینار تھی، اُن کے بارے میں بھی حضرت عائشہ سے فرمایا: انہیں غریبوں میں تقسیم کر دو، مجھے شرم آتی ہے کہ رسول اپنے اللہ سے ملے اور اس کے گھر میں دولتِ دنیا پڑی ہو۔ اس ارشاد کی تعمیل کے بعد گھر کی حالت یہ ہو گئی کہ دونوں جہاں کا سردار دنیا سے رخصت ہو رہا ہے اور گھر

میں چراغ جلانے کے لیے تیل تک موجود نہیں۔ چنانچہ روشنی کرنے کے لیے تیل ایک پڑوسی عورت سے ادھار لینا پڑا۔

حضور سرورِ دو عالمؐ کے وصال کے بعد آپ کے رفقاء کار رضی اللہ عنہم نے ایک لمبی مدت تک اسی انداز زیست کی نہایت سختی سے پیروی کی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک دن پینے کا پانی مانگا تو لوگ شہد کا شربت لے آئے۔ پیالے کو منہ سے لگا کر ہٹا لیا اور رونے لگے جو لوگ پاس بیٹھے ہوئے تھے وہ بھی رو پڑے تھوڑی دیر کے لیے چپ ہو گئے، پھر دوبارہ رونا شروع کیا۔ لوگوں نے پوچھا آخر آپ کیوں روئے۔ فرمایا میں ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ میں نے دیکھا کہ آپ کسی آدمی کو دھکیل رہے ہیں حالانکہ کوئی شخص آپ کے پاس نہ تھا۔ میں نے عرض کی یہ آپ کس کو دھکیل رہے ہیں۔ فرمایا دنیا میرے سامنے مجسّم ہو کر آئی تھی، میں نے اس سے کہا کہ میرے پاس سے ہٹ جاؤ۔ وہ ہٹ گئی مگر دوبارہ آئی اور کہا کہ آپ مجھ سے بچ کے نکل جائیں گے تو نکل جائیں لیکن آپ کے بعد کے لوگ مجھ سے نہیں بچ سکتے۔" مجھے یہی واقعہ یاد آگیا اور میرے دل میں خوف پیدا ہوا کہ وہ کہیں مجھ سے چمٹ نہ جائے۔

رسولِ امین کے اس یارِ غار نے وفات سے کچھ عرصہ پہلے ارشاد فرمایا "بیت المال کے وظیفہ کا حساب کیا جائے جو میں نے آج تک وصول کیا ہے۔ جب اس حکم کی تعمیل کی گئی تو معلوم ہوا کہ یہ رقم کل چھ ہزار درہم یا ۱۵ سو روپے بنتی ہے۔ صدیق اکبرؓ نے حکم صادر فرمایا کہ میری زمین فروخت کر کے یہ رقم ادا کر دی جائے۔ اُسی وقت زمین فروخت کی گئی اور انہیں بیت المال کے بار سے بالکل سبکدوش کر دیا گیا۔ آپ کے خلافت قبول کرنے کے بعد آپ کے مال میں جو اضافہ ہوا تھا اُس میں ایک حبشی غلام، ایک چادر اور ایک اونٹنی تھی۔ ان کے متعلق ہدایت کی کہ میری وفات کے بعد یہ تینوں چیزیں خلیفۂ وقت کے پاس پہنچا دی جائیں۔ رحلتِ مبارک کے بعد جب یہ سامان خلیفہ ثانیؓ کے سامنے آیا تو آپ بے اختیار رو پڑے اور کہا: اے ابوبکرؓ! تم اپنے جانشینوں کے واسطے کام بہت دشوار کر گئے ہو۔

آپ نے وفات کے وقت حضرت عائشہ صدیقہؓ سے دریافت فرمایا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنے کپڑوں میں کفن دیا گیا تھا؟ عرض کیا تین کپڑوں میں۔ ارشاد فرمایا: میرے کفن میں بھی تین

کپڑے ہوں۔ یہ دو چادریں جو میرے بدن پر ہیں، دھولی جائیں اور ایک کپڑا بنا لیا جائے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے دردمندانہ کہا: ابّا جان! ہم اس قدر غریب نہیں ہیں کہ نیا کفن بھی نہ خرید سکیں۔ ارشاد فرمایا: بیٹی! نئے کپڑوں کی مُردوں کی بہ نسبت زندوں کو زیادہ ضرورت ہے۔ میرے لیے یہی پھٹا پرانا ٹھیک ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زہد کے واقعات سے کون شخص ناواقف ہے۔ اگر کوئی پر تکلف کھانے کی درخواست کرتا تو فرماتے کہ مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں قیامت میں مجھ سے یہ نہ کہا جائے کہ اذھبتم طیباتکم فی حیاتکم الدنیا واستمتعتم بہا (تم اپنے سارے مزے دنیا میں اڑا چکے ہو اور اُن کا لُطف اٹھا چکے ہو) کوئی اگر لذیذ کھانا پیش کرتا تو پوچھتے کہ کیا سارے مسلمان یہ کھاتے ہیں۔ نفی میں جواب ملنے پر اس کو ہاتھ نہ لگاتے۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت حفصہؓ دونوں نے مل کر کہا: امیر المومنین! خدا نے آپ کو مرتبہ دیا ہے۔ شہنشاہوں کے سفیر آپ کے پاس آتے ہیں، اب آپ کو اپنی معاشرت بدل دینی چاہیے۔" فرمایا "افسوس ہے تم دونوں رسول اللہ کی ازواج ہو کر مجھے دنیا طلبی کی ترغیب دے رہی ہو؟ اے عائشہؓ! تم رسولؐ کی حالت کو بھول گئیں جبکہ گھر میں صرف ایک ہی کپڑا ہوتا تھا۔ اسی کو آپ دن کے وقت بچھاتے تھے اور اسی کو رات اوڑھتے تھے۔ اے حفصہؓ! کیا تمہیں یاد نہیں جب ایک رات تم نے رسول اللہ کے بستر کو دوہرا کر کے بچھایا تو آپ رات بھر سوئے رہے۔ پھر صبح اٹھتے ہی حضورؐ نے ارشاد فرمایا "حفصہؓ! یہ تم نے کیا کیا کہ میرے بستر کو دوہرا کر دیا اور میں صبح تک سوتا رہا۔ مجھے دنیاوی آسائشوں سے کیا تعلق ہے؟ تم نے فرش نرم کر کے مجھے کیوں غافل کر دیا؟"

بیت المقدس کا شاہانہ اور فاتحانہ سفر جس شان سے فرمایا وہ دنیا کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا، سواری میں ایک اونٹ، سر کھلا ہوا، پاؤں کے لیے رکاب بھی نہیں، جو اونٹ کا نمگیرہ وہی سونے کا بستر، سامان کی جو خرجی وہی سر کا تکیہ، بدن پر گزی کا کرتہ جو پہلو سے پھٹا ہوا۔ اس شان سے وہ سفر کر رہا ہے جو روئے زمین کا سب سے طاقتور حکمران ہے۔

حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے ایک رفیق ضرار بن حمزہ سے کہا کہ علیؓ کا حال بیان کرو۔ انہوں نے معذرت کی۔ لیکن جب حضرت معاویہؓ نے اصرار کیا تو انہوں نے جو کچھ بیان کیا اُس سے یہ حقیقت پوری طرح منکشف ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ فدائی اس زندگی کے بارے میں کیا طرزِ عمل رکھتے تھے۔ ضرار نے کہا :

"ان کو دنیا اور اس کی بہار اور رونق سے وحشت ہوتی تھی، اور رات اور اس کی تاریکی میں دل بہلتا تھا، آنکھیں پُر اشک رہا کرتی تھیں، ایک ملے فکر اور سوچ میں رہا کرتے، لباس وہ پسند آتا جو موٹا ہو، کھانا وہ دل کو بھاتا جو معمولی اور سادہ ہوتا۔ بالکل معمولی آدمی کی طرح رہتے۔ ہم میں اور ان میں کوئی فرق معلوم نہ ہوتا، جب ہم کچھ پوچھتے تو جواب دیتے جب ہم آتے تو وہ سلام میں پہل کرتے، جب ہم بلاتے تو وہ بے تکلف آجاتے لیکن ان کے یہاں اس تقرب اور ہمارے اس قرب کے باوجود رعب اتنا تھا کہ ہم گفتگو نہ کر سکتے، اور خود چھیڑ کر بات نہ کر سکتے، دینداروں کی تعظیم کرتے تھے اور مسکینوں سے محبت رکھتے تھے، طاقتور کو ان سے کسی چیز کی امید نہ ہوتی، اور کمزور ان کے انصاف سے نا امید نہ ہوتا، خدا ہیں نے انہیں بعض مواقع پر اس وقت دیکھا ہے کہ رات نے اپنے پردے ڈال دیئے تھے اور تارے ڈھل گئے تھے، وہ اپنی محراب میں کھڑے تھے، ڈاڑھی پکڑے ہوئے مار گزیدہ کی طرح تڑپتے تھے، اور اس طرح روتے تھے کہ جیسے دل پر چوٹ لگی ہو گویا کہ میں سن رہا ہوں اور وہ کہہ رہے ہیں، اے دنیا! کیا مجھ سے چھیڑ کرنے چلی ہے، اور مجھ پر تیری نظر ہے، اس کی امید نہ کرنا، کسی اور کو فریب دے، میں نے تجھ کو ایسا چھوڑا ہے کہ کبھی تیرا نام بھی نہ لونگا، تیری عمر مختصر، تیری زندگی بے وقعت اور تیرا خطرہ بہت ہے، ہائے سامان سفر کس قدر کم ہے، سفر کتنے دور کا ہے۔ راستہ کتنا وحشتناک ہے"

یہ ہے اُس طرزِ عمل کا صحیح نقشہ جو ایک مسلمان اس عارضی زندگی کے بارے میں اختیار کر کے پیش کرتا ہے۔ آج جبکہ مغربی استیلا نے ہمارے فکر و نظر کے زاویوں کو یکسر بدل دیا ہے اور ہم

دنیاوی فوائد و لذائذ کے حصول کے لیے مجنونانہ جد و جہد کو عین ترقی سمجھ بیٹھے ہیں حیات انسانی کی یہ تصویر بلاشبہ ہمیں کچھ عجیب و غریب سی معلوم ہوتی ہے اور ہم بدقسمتی سے اپنے آپ کو اس سے اتنا ہی دور پاتے ہیں جتنا کہ کوئی دنیا پرست۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے جانثاروں نے اسی قسم کے اندازِ زیست کو پسند فرمایا اور اسے ہی امتِ مسلمہ کے افراد کو اختیار کرنے کی تلقین کی۔ سرورِ دو عالم نے زر و مال کے فتنہ کی تباہ کاریوں کو جس انداز میں بیان کیا ہے وہ چونکا دینے کے لیے کافی ہے۔ آپ نے فرمایا: اگر دو بھوکے بھیڑیے بکریوں کے گلہ میں چھوڑ دیئے جائیں اور ان کا ستیاناس کریں تو وہ اتنے خطرناک نہیں جتنی آدمی کے دین کے لیے دولت و عزت کی حرص خطرناک ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس فتنۂ دنیا سے محفوظ و مامون رہنے کے لیے اپنے رب سے بڑی ہی دلسوزی سے یوں التجا کیا کرتے تھے۔

لا تجعل الدنیا اکبر ھمنا ولا مبلغ علمنا ولا غایۃ رغبتنا ولا تسلط علینا من لا یرحمنا	اور دنیا کو نہ ہمارا مقصودِ اعظم بنا، اور نہ ہی ہمارے معلومات کی انتہا اور نہ ہی ہماری رغبت کی منزلِ مقصود اور ہم پر اس کو حاکم نہ کر جو ہم پر نامہربان ہو۔

اس چند روزہ زندگی کے بارے میں جب کوئی شخص یہ طرزِ فکر اختیار کرتا ہے تو اس سے نہ صرف اُس کی نظر میں آخرت کے مقابلہ میں دنیا بے وزن ہو کر رہ جاتی ہے بلکہ خدا کی عظمت اور کبریائی کے سامنے اُسے اپنی ناتوانی و بے نوائی، فقر و احتیاج، عجز و مسکنت کا شدید احساس ہوتا ہے۔ وہ پھر اپنے آپ کو اس کائنات کا مرکز نہیں سمجھتا بلکہ ہمیشہ ایک فقیرِ بے نوا کی حیثیت سے دیکھتا ہے۔ وہ اپنے افعال و اعمال پہ اترانے کی بجائے خدا کے حضور میں اپنے گناہوں کی معافی کا طلبگار رہتا ہے۔ اس کائنات کے اندر آخر حضور سرورِ دو عالم سے زیادہ کون سی ذات زیادہ پاک اور مقدس ہو سکتی ہے مگر دیکھیئے کہ حضور بھی اُس کائنات کے خالق کے سامنے اپنی بے بسی کا کس طرح سے اظہار فرماتے ہیں۔

اللھم الیک اشکو ضعف قوتی	الٰہی اپنی کمزوری بے سروسامانی اور لوگوں کی تحقیر

وقلة حيلتي وهواني على الناس رب المستضعفين	کی بابت تیرے سامنے فریاد کرتا ہوں تو سب رحم کرنے
الى من تكلني الى بعيد يتجهمني او الى عدو	والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ درماندہ عاجزوں
ملكته امري ان لم يكن بك علي غضب	کا مالک تو ہی ہے اور میرا مالک بھی تو ہی ہے۔ مجھے
فلا ابالي غير ان عافيتك هي اوسع لي - اعوذ	کس کے سپرد کیا جاتا ہے۔ کیا بیگانہ ترش رو کے یا اس
بنور وجهك الذي اشرقت له الظلمات	دشمن کے جو کام پر قابو رکھتا ہے اگر مجھ پر تیرا غضب
وصلح عليه امر الدنيا والآخرة من ان	نہیں تو مجھے اس کی پروا نہیں۔ لیکن تیری عافیت میرے
يحل بي غضبك او ينزل علي سخطك لك	لیے زیادہ وسیع ہے۔ میں تیری ذات کے نور سے پناہ
العتبى حتى ترضى ولا حول ولا قوة الا بك۔	چاہتا ہوں جس سے سب تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں
	اور دنیا اور دین کے کام ٹھیک ہو جاتے ہیں کہ تیرا غضب
	مجھ پر اترے یا تیری ناراضی مجھ پر وارد ہو۔ مجھے تیری
	ہی رضامندی اور خوشنودی درکار ہے اور نیکی کرنے
	یا بدی سے بچنے کی طاقت مجھے تیری ہی طرف سے
	ملتی ہے۔

پھر انہیں جذبات کا اظہار دوسرے مقام پر اس طرح کیا گیا ہے:

اللهم انك تسمع كلامي وترى مكاني	اے اللہ تو میری بات کو سنتا ہے اور میری جگہ کو دیکھتا
وتعلم سري وعلانيتي لا يخفى عليك شيء	ہے اور میرے پوشیدہ اور ظاہر کو جانتا ہے۔ تجھ سے
من امري وانا البائس الفقير المستغيث	میری کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی۔ میں مصیبت زدہ
المستجير الوجل المشفق المقر المعترف	ہوں، محتاج ہوں۔ فریادی ہوں۔ پناہ جو ہوں۔
بذنبه - اسالك مسئلة المسكين و	پریشان ہوں۔ ہراساں ہوں۔ اپنے گناہوں کا اقرار
ابتهل اليك ابتهال المذنب الذليل	کرنے والا ہوں۔ تیرے آگے سوال کرتا ہوں جیسے
وادعوك دعاء الخائف الضرير، دعاء من	بیکس سوال کرتے ہیں۔ تیرے آگے گڑگڑاتا ہوں جیسے

خضعت لك رقبته وفاضت لك عبرته وذل لك جسمه ورغم لك انفه. اللهم لا تجعلني بدعائك شقيا وكن بي رؤفا رحيما يا خير المسئولين ويا خير المعطين.

گنہگار عاجز گڑگڑاتا ہے اور تجھ سے طلب کرتا ہے جیسے خوف زدہ، آفت رسیدہ طلب کرتا ہے اور جیسے وہ شخص طلب کرتا ہے جس کی گردن تیرے سامنے جھکی ہو اور اُس کے آنسو بہ رہے ہوں اور تن بدن سے وہ تیرے آگے فروتنی کیے ہوئے ہو اور اپنی ناک تیرے سامنے رگڑ رہا ہو۔ اے اللہ تو مجھے اپنے سے دعا مانگنے میں ناکام نہ رکھ اور میرے حق میں بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہو جا اے سب مانگے جانے والوں سے بہتر، اے سب دینے والوں سے اچھے۔

ایک دوسری جگہ اس احساس نے مندرجہ ذیل الفاظ کی شکل اختیار کی ہے:-

اللهم انی عبدك وابن عبدك وابن امتك ناصيتي بيدك ماضٍ فيّ حكمك عدل فيّ قضاءك

اے اللہ میں بندہ ہوں تیرا اور بیٹا ہوں تیرے بندے کا اور بیٹا ہوں تیری بندی کا۔ ہمہ تن تیرے قبضہ میں ہوں۔ نافذ ہے میرے بارے میں تیرا حکم اور عین عدل ہے میرے بارے میں تیرا فیصلہ۔

ان وارداتِ قلبی پر بار بار غور کریں اور دیکھیں کہ یہ کس بزرگ و برتر ذات کی دلی کیفیات کی ترجمانی ہے۔ وہ ذات جو سوائے خدا کے دنیا کی ہر شے سے ارفع و اعلیٰ ہے وہ اپنے مولا کے حضور میں کس طرح سے سرِ نیاز خم کرتی ہے، وہ مالک الملک کے حضور میں کس انداز سے اپنی بیچارگی اور بے بسی کا اعتراف کرتی ہے۔ کیا وہ دل جو اس قسم کے جذبات کا مبدا ہو، اُس میں کبھی بھی غرور و تکبر راہ پا سکتے ہیں؟ یہ انہیں احساسات کا نتیجہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے رفقاء کار اخلاق و فضائل کے اوجِ کمال تک پہنچنے کے باوجود ہمیشہ اپنے آپ کو کمزور اور ناتواں سمجھتے رہے۔ تاریخ اس قسم کے واقعات سے بھری پڑی ہے جن سے ان پاکباز اور مقدس انسانوں کی تواضع اور انکساری

کا اچھی طرح اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

حضرت ابوبکر صدیقؓ ایک مرتبہ بیٹھے ہوئے تھے کہ انہوں نے درخت کے سایہ میں ایک چڑیا کو اچھلتے اور پھدکتے دیکھا۔ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر اس سے فرمایا "اے چڑیا تو کس قدر خوش نصیب ہے درختوں کے پھل کھاتی ہے اور ٹھنڈی چھاؤں میں خوش رہتی ہے۔ پھر موت کے بعد تو وہاں جائے گی جہاں تجھ سے بازپرس نہ ہوگی۔ اے کاش! ابوبکر بھی اس قدر خوش نصیب ہوتا"۔ آپ کبھی یہ فرماتے اے کاش! میں درخت ہوتا، کھا لیا جاتا یا کاٹ دیا جاتا۔ کبھی کہتے: اے کاش! میں سبزہ ہوتا اور چارپائے مجھے چر لیتے۔ حضرت عمرؓ کے متعلق مشہور ہے کہ ایک دفعہ کسی صحابی نے آپ کے سامنے ان اعمالِ حسنہ کا ذکر کر دیا جو آپ نے رسول اللہ کے ساتھ مل کر انجام دیئے تھے۔ حضرت عمر بے قرار ہو گئے اور ارشاد فرمایا "مجھے اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں تو اس کو غنیمت سمجھتا ہوں کہ اگر اجر نہ ملے تو عذاب ہی سے بچ جاؤں"۔

ایک دفعہ راستہ پر سے گزر رہے تھے کہ کچھ خیال آیا۔ وہیں آپ زمین کی طرف جھکے اور ایک تنکا اٹھا لیا۔ پھر ارشاد فرمایا "اے کاش! میں اس تنکے کی طرح خس و خاشاک ہوتا۔ اے کاش میں پیدا ہی نہ کیا جاتا۔ اے کاش! میری ماں مجھے نہ جنتی"۔ ایک دوسرے موقعہ پر فرمایا: اگر آسمان سے ندا آئے کہ ایک آدمی کے سوا دنیا کے تمام لوگ بخش دیئے گئے ہیں تب بھی میرا خوف زائل نہ ہوگا۔ میں سمجھونگا۔ شاید وہ ایک بدقسمت انسان میں ہی ہوں۔

ایک دفعہ ممبر پر چڑھ کر فرمایا کہ ایک دن وہ تھا کہ میں اپنی خالہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا اور وہ اس کے عوض میں مٹھی بھر کھجور دے دیا کرتی تھیں۔ آج یہ زمانہ ہے کہ میں امیر المومنین ہوں۔ یہ کہکر ممبر سے اتر آئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا: یہ تو آپ نے اپنی تنقیص کی" بولے تنہائی میں میرے دل نے کہا کہ تم امیر المومنینؓ ہو، تم سے افضل کون ہو سکتا ہے۔ اس لیے میں نے چاہا کہ اپنی حقیقت بیان کر دوں۔

ایک مرتبہ صدقہ کے اونٹوں کے سخت گرمی میں نار کول لگا رہے تھے، کسی شخص نے کہا کسی غلام

سے فرما دیا ہوتا۔ فرمایا مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہوگا۔

حیاتِ انسانی کے متعلق ان تصورات و افکار اور احساسات و جذبات سے سیرت و کردار کا جو خمیر اٹھایا جاتا ہے وہ ایک طرف تو نسلی اور نسبی تفوق کی ہر آلائش سے پاک ہوتا ہے اور دوسری طرف اس میں انسانی ہمدردی کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے۔ جو فرد بھی اس خمیر سے اپنے اخلاق کو غذا بہم پہنچاتا ہے اُس کے دل کے تار تمام انسانوں کے دکھ درد کے لیے لرزتے ہیں اور انسانوں کی معمولی مصیبت کو دیکھ کر اُن میں ارتعاش پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو انسانوں کے "ریوڑ" میں فوق البشر نہیں سمجھتا بلکہ انہیں کی طرح ایک معمولی انسان خیال کرتا ہے۔ اُسے کبھی اس بات کا اندیشہ محسوس نہیں ہوتا کہ اُس کا دامنِ تقدس، عوام کے ساتھ ملنے جلنے اور ان کے مشاغل میں شرکت کرنے سے آلودہ ہو جائے گا بلکہ وہ ہمیشہ اس آرزو میں ہمت آزما رہتا ہے کہ وہ غریب عوام کے ساتھ مل کر ان کی ذہنی، اخلاقی اور دینی سطح بلند کرے۔ وہ محض گلیمِ خویش کو بچا کر لے جانے کی فکر نہیں کرتا بلکہ دوسرے ڈوبنے والوں کو نکالنے کے لیے بھی مؤثر تدابیر اختیار کرتا ہے۔

پھر اس کے اندر ایک ایسا جوہر نایاب ترقی کرتا ہے، جسے لوگ انسانیت کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو ابنائے جنس میں محتسب بنا کر نہیں رکھتا بلکہ اُن میں بھائیوں کے رکھوالے کی حیثیت سے رہتا ہے۔ وہ بنی نوع انسان کی غلطیوں اور قصوروں کو فیاضی کے ساتھ جانچتا ہے اور ایک اہلِ دل انسان کی طرح اُن کی وجہ اور علّت معلوم کرنے کی سعی کرتا ہے۔ اُسے چور کو پکڑنے اور سزا دینے سے زیادہ اس بات کی فکر دامنگیر رہتی ہے کہ وہ اُن اسباب کا کھوج لگائے جنہوں نے اُس شخص کو سیدھے راستے سے ہٹا کر اس غلط راہ پر ڈال دیا ہے۔ وہ جب اپنے سامنے ایک بدبخت مجرم کو دیکھتا ہے تو اُس میں نخوت کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا بلکہ اس وقت بھی اُسے یہ خیال گزرتا ہے کہ اگر توفیقِ الٰہی شامل نہ ہوتی تو کیا عجب کہ آج وہ بھی اسی حالت میں ہوتا۔ اس لیے اُس کے دل میں مجرم کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا نہیں ہوتے بلکہ ہمدردی کا احساس پیدا ہوتا ہے اور اپنی

اس نیک اور پاکبازانہ زندگی پر اترانا نہیں بلکہ اس قادرِ مطلق کا شکر بجالانا ہے جس کی رحمت سے وہ صراطِ مستقیم پر گامزن ہے۔

لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہ سمجھ لیا جائے کہ اس قسم کے سیرت و کردار رکھنے والا شخص اخلاقی عیوب اور برائیوں کے ساتھ سمجھوتہ کرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ نہیں ایسا نہیں۔ اُس کی صالح فطرت کسی جرم اور گناہ کو ایک لمحہ کے لیے بھی برداشت نہیں کرتی۔ البتہ وہ جو کچھ کرتا ہے وہ صرف یہ کہ جرم اور مجرم میں، گناہ اور گناہ کرنے والے میں ایک خطِ امتیاز کھینچ لیتا ہے۔ ایک با اخلاق آدمی ہونے کی حیثیت سے وہ جرم کے تدارک کی فکر کرتا ہے اور اگر ضرورت محسوس ہو تو اس مقصد کے لیے بڑی سے بڑی سختی کرنے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ لیکن بحیثیت ایک انسان کے اُسے مجرموں کے ساتھ ایک فطری ہمدردی ہوتی ہے۔ اقبال مرحوم نے اپنے ایک خط میں اس حقیقت کو بڑی عمدگی سے واضح کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> "نضیر نام ایک شخص تھا۔ پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سخت ایذا دیتا تھا۔ فتح مکہ کے بعد جب حضور شہر میں داخل ہوئے تو ایک مجمع عام میں آپ نے علی مرتضیٰ کو حکم دیا کہ اس کی گردن اڑا دو۔ ذوالفقارِ حیدری نے ایک آن میں اُس کمبخت کا خاتمہ کر دیا۔ اُس کی لاش خاک و خون میں تڑپ رہی تھی لیکن وہ ہستی جس کی آنکھوں میں دوشیزہ لڑکیوں سے بھی زیادہ حیا تھی جس کا قلب تاثراتِ لطیفہ کا سرچشمہ تھا اس دردانگیز منظر سے مطلق متاثر نہ ہوئی۔ نضیر کی بیٹی نے باپ کے قتل کی خبر سنی تو نوحہ و فریاد کرتی اور باپ کی جدائی میں دردانگیز اشعار پڑھتی ہوئی دربارِ نبویؐ میں حاضر ہوئی۔ اللہ اکبر! اشعار سنے تو حضورؐ اس قدر متاثر ہوئے کہ اس لڑکی کے ساتھ مل کر رونے لگے۔ یہاں تک کہ جوشِ ہمدردی نے اُس سب سے زیادہ ضبط کرنے والے انسان کے سینے سے ایک آہِ سرد نکلوا کر چھوڑی۔ پھر نضیر کی تڑپتی ہوئی لاش کی طرف اشارہ کرکے فرمایا یہ فعل محمد رسول اللہ کا ہے اور اپنی روتی ہوئی آنکھ پر انگلی رکھ کر کہا یہ فعل محمد بن عبد اللہ کا ہے۔ پھر حکم دیا کہ نضیر کے بعد کوئی شخص مکہ میں قتل نہ کیا جائے۔"

غرض اس طرح مسلم حنیف قہر و محبت کے متصادم جذبات کو اپنے قلب کی گرمی سے تحلیل کرتا ہے۔